سورة القلم

مکی ہے اور اس میں ۵۲ آیات ہیں

حضرت ابن عباسؓ وقتادہ سے مروی ہے اس سورۃ کے آغاز سے **الخرطوم** تک اور اس کے بعد **ولو کانوا یعلمون** تک مدنی ہے۔ اور اس کے بعد **فھم یکتبون** تک مکی۔ اور اس کے بعد **من الصالحین** تک اور اس کا باقی حصہ مدنی ہے اور مروی ہے کہ سب سے پہلے جو قرآن نازل ہوا **اقراء باسم ربک** ہے اس کے بعد **نون** پھر **مزمل** پھر **مدثر** ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) **ن** آ حروف **المعجم** میں سے ایک حرف ہے ض۔ ق کی طرح جو مرکب نہیں ہے بعض حروف کی طرح جو سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ''الدوات'' کا اسم ہے۔ ابن عطیہ نے کہا اگر یہ دوات کے لئے اسم ہے تو لغت العرب میں سے ہے یا عجمی لفظ ہے جسے معرب بنالیا گیا ہے ایک شاعر نے کہا۔

اذا ما الشوق برّح بی الیھم القت النون بالدمع السجوم

ابن عباسؓ اور مجاہد نے کہا یہ **اسم الحوت الاعظم** (بڑی مچھلی کا اسم) ہے جس پر زمین قائم ہے اور معاویہ سے مروی ہے یہ نور کی لوح (تختی) ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ رحمٰن کا آخری کلمہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ معرب نہیں ہے ھجاء کا حرف ہے اور اس سے کیا مراد ہے یہ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔ ازہری نے کہا **ن والقلم** اس میں جائز نہیں کہ غیر ہجاء ہوں کیا تم نہیں دیکھتے کہ مصحف کے لکھنے والوں نے اسے (ن) کر کے لکھا ہے۔ اگر اس سے مراد دوات یا حوت (مچھلی) ہوتی تو اسے نون لکھتے۔ جمہور نے نون کے سکون کے اور واؤ میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور قلم کو غنہ اور بغیر غنہ پڑھا ہے۔ اور پھر حمزہ وابوعمرو وابن کثیر وقالون اور حفص نے اس کو ظاہر کیا ہے۔ اور ابن عباسؓ نے التقائے ساکنین کی وجہ سے نون کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سعید بن جبیر نے اس کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور جب اس طرح اعراب دیا گیا ہے تو جائز ہے کہ اسم مکسورہ ہو۔ **وَالْقَلَمِ** (ترجمہ:۔ اور قلم کی قسم) اور اس سے مراد وہ شئی جسے اللہ نے پیدا کیا اور اس کو حکم دیا تو اس نے ہر چیز لکھی۔ عبادۃ ابن الصامتؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا پھر اس سے کہا لکھو اسی وقت قلم لکھنے لگا۔ پھر قیامت کے دن تک ہونے والے واقعات اس نے لکھ دیا۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے اور قلم کو پیدا کیا اور کہا لکھو۔ اس نے کہا کیا لکھوں اللہ نے کہا لکھو جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے عقل پیدا کی اور اس حدیث میں **اکتب ما ھو کائن الی یوم القیامۃ** کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قلم اور عقل دونوں کے معنی ایک ہیں علماء کے نزدیک اور وہ اول مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ سے صادر ہوئی۔ اور کتابت سے مراد ہے مرتبہ علم میں تفصیلی ملاحظہ کرنا اور یہ ملاحظہ

اجمالیہ ہے اور وہ قلم اعلیٰ کی تخلیق سے پہلے کا ہے واللہ اعلم۔ والقلم میں واؤ قسم کے لئے ہے یعنی اللہ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔ **وَمَا يَسْطُرُوْنَ** (ترجمہ:۔اور اس کی جو وہ لکھ رہے ہیں) ما موصولہ ہے۔والذین یسطرون وہ جو لکھ رہے ہیں اور وہ ملائکہ ہیں یا محافظ جو بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں۔اس میں ما کا مصدر یہ ہونا بھی جائز ہے یعنی ان کا لکھنا۔مطلب میں قلم اور فرشتوں کے لکھنے کی قسم کھاتا ہوں۔

(۲) **مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ** (ترجمہ:۔اپنے پروردگار کی نعمت سے آپ مجنون نہیں ہیں) یہ جواب قسم ہے اور مانافیہ ہے اور النعمة فیض اقدس الٰہی ہے اور اس سے مراد نبوت ورسالت ہے۔ولید بن مغیرہ اور ابوجہل وغیرہم اور وہ کافر جو رسول اللہ ﷺ کی نسبت کبھی شاعری اور کبھی جنون اور کبھی جادو سے کرتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔پس اللہ سبحانہ نے اس سورۃ میں رسول اللہ ﷺ کی جنون سے براءت اور آپ کے اجر کی عظمت اور ان لوگوں کی تکالیف پر آپ کے صبر اور آپ کے خلق عظیم کی ثناء ارشاد فرمائی ہے۔صاحب الکشاف نے کہا کہ بنعمة ربک میں ''با'' منفی طور پر مجنون سے متعلق ہے۔جیسا کہ آپ کے قول انت بنعمة الله عاقل میں 'با' عاقل سے، مثبت طور پر متعلق ہے۔اس میں نفی واثبات دونوں برابر ہیں۔جیسے ضرب زید عمرو اًاور ماضرب زید عمرو اًمیں نفی واثبات یکساں ہے اس میں فعل مثبت اور منفی دونوں اعتبار سے ایک ہی طور پر عمل کر رہا ہے۔ اور محل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے گویا یوں ارشاد فرمایا گیا ما انت بمجنون منعما علیک بذالک یا دوسری صورت میں 'با' کا کوئی عمل نہیں ہے بشرطیکہ لفظ مجنون اپنے ماقبل میں عمل کر رہا ہو کیونکہ وہ نفی کی تاکید کے لئے زائدہ ہو جائے اس کے معنی یہ ہیں کہ کفار مکہ آپؐ کی طرف عداوت وحسد کی وجہ سے جو چیز منسوب کر رہے تھے اس کا دور ہو جانا اور وہ پختگی عقل اور زیرکی ہے جو اللہ کا انعام ہے اور جو نبوت کی اہلیت کے لئے لازم ہے۔ابوحیان اندلسی نے کہا اور زمخشری بھی اسی کے حامی ہیں کہ ''بنعمة ربک'' بمجنون سے متعلق ہے اور وہ ایسی جگہ پر ہے جو تامل کا محتاج ہے وہ یہ ہے کہ جب نفی محکوم بہ پر مسلط ہو اور اس کا معمول ہے تو ایسی صورت میں دو طریقے ہوتے ہیں۔اول یہ ہے کہ وہ نفی صرف اسی معمول پر مسلط رہتی ہے۔اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نفی محکوم بہ پر مسلط ہوتی ہے جس کے نفی سے اس کے معمول کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔اس کی وضاحت یوں ہے کہ اگر کہا جائے ما زید قائم مسرعا تو فوری طور ذہن میں بات آئے گی کہ اس جملہ میں اس کے اسراع کے نفی کی گئی ہے نا کہ اس کے قیام کی تو مطلب یہ ہوگا کہ قام زید غیر مسرع اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے قیام ہی کی نفی ہے تو اس کے اسراع کی نفی ہوگئی یعنی قیام ہی نہیں ہے تو اسراع بھی نہیں ہے۔اور یہ بات جس کو ہم نے ثابت کیا ہے اس کے ساتھ زمخشری کا قول مقابلہ بالکل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا قول تو ایسی بات کی طرف پہونچا دیتا ہے کہ جس کا آپ ﷺ کی معصوم ذات کے بارے میں کلام کرنا جائز ہی نہیں ہے۔میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بیان صحیح ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کیونکہ زمخشری کے کلام میں غور کرنے کے بعد ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ما انت بمجنون یہ انعام کا حال ہے اور انت مجنون انعام کے حال کا غیر ہے اور یہ لغو ہے۔اور عین وہی بات ہے جو کافروں نے آپ ﷺ کی شان میں کہی تھی۔پس زمخشری نے اس کی تفسیر میں جو کچھ کہا

ہے وہ اسے کفر و گمراہی کی طرف کھینچ رہا ہے نعوذ باللہ۔

زجاج نے کہا انت اسم ہے اور بمجنون خبر ہے اور اللہ کا قول بنعمة ربک وہ کلام ہے جو درمیان میں واقع ہے اور معنی ہیں تیرے رب کی نعمت سے تجھ سے جنون کو منتفی کر دیا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انت بحمد الله عاقل اور انت بحمد الله لست بمجنون اور انت بنعمة الله فهم اور انت بنعمة الله لست بفقير۔ معنی یہ ہے کہ یہ صفت محمودہ آپ کو حاصل ہے اور صفت مذمومہ اللہ کے انعام اور لطف و کرم کے واسطے سے زائل ہوگئی۔ اور یہ معنی ابن عطیہ کے پسندیدہ ہیں اور امام رازی بھی اسی پر راضی ہیں۔ ابن حیان نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ما انت بمجنون اور نعمة ربک جیسے سبحانک اللهم وبحمدک۔ پھر اس نے کہا ہے کہ منتخب میں ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ تجھ سے جنون تیری رب کی نعمت سے منتفی ہے۔ یعنی محمودہ صفت کا حصول ہے اور تیرے رب کی نعمت کے واسطے سے صفتِ مذمومہ تجھ سے زائل ہے پھر اس نے اپنے اس دعویٰ کی سچائی اور صحت پر دلیل کے طور پر لبید کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

وأُفرِدْتُ فی الدنیا بفقد عشیرتی وفارقنی جار بأربدِ نافع

یعنی وہ اربد ہے کیونکہ اللہ کی نعمتیں آپ ﷺ کے حق میں ظاہر تھیں مثلاً کمال فصاحت، عقل، پسندیدہ سیرت، ہر عیب سے پاکی اور ہر بزرگی سے متصف۔ پس ان چیزوں کا حصول و ظہور کفار کے انه مجنون کے قول میں جھوٹے ہونے کے بارے میں یقین کا قائم مقام ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حق وہی ہے جس کی طرف زجاج گئے ہیں۔

(۳) **وَاِنَّ لَكَ** (ترجمہ:۔ اور بلاشبہ آپ کے لئے) یعنی ان کفار کی طرف سے مختلف شدائد و آلام کے بدلے میں۔ **لَاَجْرًا** (ترجمہ:۔ اجر ہے) یعنی عظیم ثواب ہے **غَيْرَ مَمْنُوْنٍ** (ترجمہ:۔ غیر منقطع ہے) یہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ''عطاء غير مجذود'' کی طرح ہے منّ، یمن یعنی قطع، یقطع پس غیر ممنون کے معنی ہیں غیر مقطوع اور اسی کے بارے میں لبید کا قول ہے غيس كواسب لا يمنّ طعامها۔ یعنی لا يقطع اور مجاہد نے کہا غیر محسوب (بغیر حساب) اور حسن نے کہا احسان جتا کر مکدر نہ کرنا۔ صاحب الکشاف نے کہا ہے کہ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ غير ممنون عليک (یعنی آپ ﷺ پر اضافی احسان نہیں ہے) کیونکہ یہ وہ ثواب ہے جس کا عمل کی وجہ سے حقدار بنا ہے۔ اور ابتداء تفضّل نہیں ہے وہ تو محض فواضل کا احسان ہے نہ کہ اعمال پر اجر کا احسان ہے۔ ابوحیان نے کہا ہے اس کے قول میں اعتزال کا شائبہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ پر کوئی بھی چیز واجب نہیں ہے۔ کیسے اس پر واجب ہوسکتی ہے کیونکہ بندے سے جو کچھ طاعات صادر ہوتی ہیں وہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں جیسے کہ اللہ نے فرمایا۔ خلقكم وما تعملون (الصافات ۹۶) پس وہ اس کی نعمت بالغہ میں سے ہے اقل قلیل نعمت کا شکر بھی نہیں بن سکتیں تو وہ بندہ اللہ کی اس اطاعت پر عوض کا کس طرح مستحق ہوسکتا ہے۔ اگر اس نے کسی طاعت پر انعام عطاء فرمایا ہے تو وہ محض اس کا فضل ہے اور اگر وہ کسی معصیت پر عذاب دیتا ہے تو وہ اس کے عدل کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ چیز اس کی ملکیت میں ہے جس میں اسے تصرف کا پورا حق ہے۔ البتہ جہاں تک وعدے کا تعلق

ہے تو اس کو پورا کرنا مناسب ہے اور وہ حقیقت وعدہ کی وجہ سے ہے۔لیکن وعید کے بارے میں اسے اختیار ہے کیونکہ جو شخص اپنا حق چھوڑ دے اور غیر پر ایثار کردے تو اس شخص کے ایسا کرنے پر عیب نہیں دیا جاسکتا۔حاصل کلام یہ ہے کہ ثواب اس کے فضل پر اور عذاب اس کے عدل پر موقوف ہے۔احمد نے کشاف کے حاشیہ میں کہا ہے کہ نبی ﷺ زمخشری سے آیت کی اس طرح سے تفسیر کبھی پسند نہیں فرمائیں گے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کوئی شخص تم میں سے اپنے عمل کے ذریعہ جنت میں نہیں جائے گا۔عرض کیا گیا کہ آپ بھی نہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ہاں میں بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل ورحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔اور زمخشری نے سوءادب کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں جہاں پر اس پر حد واجب ہو جاتی ہے۔اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے دخول میں کسی شخص پر بھی اللہ کا کوئی احسان وفضل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فرض کو ادا کررہا ہے جو اس پر لازم ہے **نعوذ باللہ من الجرأة علیہ**۔

(۴) **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ** (ترجمہ:۔اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں) اس طرح کہ کوئی اللہ کی اس چاہت کا ادراک نہیں کرسکتا۔ **والخلق** اس ملکہ نفسانیہ سے عبارت ہوتا ہے جس کی وجہ سے افعال جمیلہ کا صدور انسان پر آسان ہوتا ہے۔اور ملکہ فاضلہ سے بہرہ یاب ہونے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک محمود وممدوح بن جاتا ہے۔اور اس شخص سے طریق عدل سے ہٹے ہوئے عمل کا کوئی صدور متوقع نہیں ہوتا پس عدالت اس کی استعداد ہوتی ہے اور تفصیل اس کی صفت ہوتی ہے۔یہ استعداد فاضلہ قوت نظریہ کے کمال سے متصف ہونے کے بعد ہی پائی جاتی ہے۔کیونکہ جس کو قوت نظریہ کا کمال حاصل نہ ہو اس شخص سے افعال محمودہ آسانی سے صادر نہیں ہوسکتے اس استعداد سے موصوف شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے کمال سے موصوف ہو اور کوئی بھی شخص درجہ نبوت ورسالت تک نہیں پہنچتا ہے مگر ان قوتوں کے کمال کے بعد۔اور آپ ﷺ ان دونوں قوتوں میں اکمل واوفی تھے اور اسی طرف **انک لعلی خلق العظیم** میں اللہ تعالیٰ اشارہ فرمایا ہے۔اسی وجہ سے آپ ﷺ سید المرسلین وخاتم النبیین ہوئے۔سعید بن ہشام سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائے۔انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں' انہوں نے جواب دیا بس وہی نبی ﷺ کا اخلاق تھا۔اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن میں جو کچھ اللہ نے انہیں حکم دیا وہ اس پر عمل پیرا تھے۔لہذا پورا قرآن آپ کا اخلاق بن گیا تھا۔قتادہ نے کہا کہ **خلق عظیم** اسے کہا جاتا ہے جو اللہ کے امر سے اختیار کیا جائے۔اور اسے عظیم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کی ہستی میں نرم خوئی' ناپسندیدہ چیزوں سے بیزاری' استعداد جمیلہ' وافر سخاوت' قسم کے مکارم اخلاق جمع تھے اور آپ ﷺ کا نفس مقدس عالم علوی اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کی طرف مائل ومنسلک رہتا تھا۔اور لذات بدنیہ اور دنیوی سعادات سے اپنی فطرت عالیہ کے مقتضٰی کے مطابق دور رہتا تھا۔آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ نے مجھے مکارم الاخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔

(۵) **فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَ** (ترجمہ:۔پس تم بھی دیکھو گے اور وہ بھی دیکھیں گے) یعنی آپ کفار کا حال دیکھیں گے اور وہ دنیا میں اپنی ذلت و برائی' اپنا مقتول ہونا' اپنی اموال کا مال غنیمت کے طور پر لوٹا جانا اور اپنی اولاد کی اسیری دیکھیں گے۔ابن عباسؓ

نے کہا اس کے معنی ہیں آپ جان لیں گے اور وہ جان لیں گے قیامت کے دن یہاں تک حق باطل سے واضح ہو جائے گا۔

(۶) **بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ** (ترجمہ:۔کون تم میں سے دیوانہ ہے) قتادہ اور ابو عبیدہ نے کہا کہ 'با' زائدہ ہے اور معنی ہیں تم میں سے کون مفتون ہے، مبتدا میں ''با'' زائد کی گئی ہے جیسا کہ آپ کے قول **بحسبک** میں 'با' زائد کی گئی ہے یعنی **حسبک** ۔اور ابو عبیدہ کا مصرعہ ہے۔

نضرب بالسیف و نرجو بالفرج

حسن، ضحاک اور اخفش نے کہا 'با' زائد نہیں ہے اور **مفتون** کے معنی **فتنة** ہیں یعنی تم میں سے کون فتنہ پرور ہے، فسادی ہے۔جس کو جنون کا نام دیا گیا اور اخفش نے یہ بھی کہا کہ **با یکم فتن المفتون** تھا جس میں مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے مقام پر رکھا گیا۔مجاہد اور فراء نے کہا کہ 'با' بمعنی 'فی' ہے یعنی **فی ای فریق منکم النوع المفتون** (تمہارے اندر کونسا فریق مفتون (دیوانہ) ہے) پس ''با'' ظرفیہ ہے مثلاً **زید بالبصرة** یعنی **فی البصرة** اور اسی معنی کی تائید ابن ابی عبلۃ کی قرات کرتی ہے۔جو ''فی'' کے ساتھ ہے۔فراء اور مبرد نے کہا کہ **مفتون** کے معنی یہاں **فتون** ہیں۔اور وہ جنون ہے، مصدر کو مفعول کے وزن پر لایا گیا ہے۔ مثلاً **معقود** اور **میسور** بمعنی **عقد و یسر** اور یہ حسن اور ضحاک کا قول ہے اور اسے عطیہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں الشیطان۔کیونکہ وہ کہتے تھے۔ **انّ به شیطانا فیقول کما قال** (اس کے ساتھ شیطان ہے وہ جو کہتا ہے یہ بھی کہتے ہیں) اس میں ابی جہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ اور ان جیسوں کی تعریض کی گئی ہے کہ **ایکم المفتون مسه الشیطان او جنون و اختلاط العقل** اور اللہ کے اس ارشاد کی مثال ہے۔ **سیعلم غداً من الکذاب الاشر.** (**القمر ۲۹**)

(۷) **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ** (ترجمہ:۔اللہ بخوبی واقف ہے کہ کون اس کے راستے سے بہکا ہوا ہے۔) وہ راہ جو سعادت دارین تک پہنچانیوالی ہے۔اور سبیل سے مراد اسلام ہے یعنی اللہ ہی خوب جانتا ہے اس آدمی کو جس نے آپ کو جنون اور اختلاط عقل کا طعنہ دیا ہے۔وہی گمراہی سے موصوف ہے۔اگر وہ اپنے آپ کو عقل سے موصوف کرتا ہے تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا۔**وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ** (ترجمہ:۔وہ بخوبی واقف ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے) اپنے مطلوب کو پانے والوں کی راہ پر ہے۔اور وہ مطلوب ہے جنت میں سرور ابدی۔

(۸) **فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ** (ترجمہ:۔پس جھٹلانے والوں کی پیروی مت کرو) یعنی اللہ کی اطاعت کرو اس پر مداومت اختیار کرو۔اور اسی پر قائم رہو اور ان لوگوں کی پیروی مت کرو جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا یعنی نہ ان کی مدارات کرو اور نہ بہلا پھسلا کر ان کے دلوں کو مائل کرو کیونکہ وہ اللہ کے علم میں ہدایت یاب نہیں ہیں۔یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ رؤساء مکہ کی خاطر مدارات کرتے تھے اور ان کے ساتھ نرمی اس خیال سے برتتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں گے پھر جب انہوں نے آپ کی نرمی اور مہربانی کو دیکھا تو آپؐ کو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی دعوت دی تو اللہ نے انہیں منع

کر دیا کہ ان کی نہ مانیں۔

(۹) **وَدُّوْ لَوْتُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ** (ترجمہ:۔ وہ چاہتے ہیں اگر آپ نرمی برتیں تو وہ بھی نرمی برتیں گے) لیث نے کہا ادھان کے معنی ہیں نرمی، مدارت اور کلام میں مقاربت۔ زہیر کا شعر ہے۔

و فی الحلم ادھان وفی العفو دربة و فی الصدق منجاة من السرّ فاصدق

اور فراء نے کہا **ودوا لو تکفروا فیکفرون** معنی ہیں وہ چاہتے ہیں اگر تم کفر کرو تو وہ بھی کفر کریں گے۔ اور یہ ابن عباسؓ ضحاک، عطیہ اور السدی کا قول ہے اور کہا اگر تم جھٹلاؤ تو وہ بھی جھٹلائیں گے۔ مبرد نے کہا **داھن الرجل فی دینه وداھن فی امره اذاخان** . صاحب الکشاف نے کہا اگر آپ یہ کہیں کہ **فیدھنون** کو رفع کیوں نہیں دی گئی اور اسے ان کے مضمر ہونے سے نصب کیوں نہیں دی گئی حالانکہ وہ تمنا کا جواب بھی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس طرح سے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے مبتدائے محذوف کی خبر بنایا گیا ہے یعنی **فھم یدھنون** جیسے اللہ نے فرمایا" **فمن یومن بربه فلا یخاف**"(الجن ۱۳) تو یہاں یہ جملہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے **ودولوتدھن فھم یدھنون**۔ یا یہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے **اودّوا ادھانک فھم آلان یدھنون لطمعھم فی ادھانک** سیبویہ نے کہا کہ ہارون کا گمان ہے کہ بعض مصاحف میں یہ آیت **ودو لو تدھن فیدھنوا** ہے۔ ابوحیان نے کہا کہ اس کے نصب کی دو وجہ ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ "**ودّوا**" کا جواب ہے کیونکہ وہ لیت کے معنی کو متضمن ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ وہم ہے کہ ان کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے۔ یعنی "**ودو ان تدھن فیدھنو**" پس وہ **ودو** پر عطف ہو جائے گا اور یہ بات اس شخص کے نظریہ کے مطابق درست ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہاں **لو** مصدریہ ہے بمعنی اَنْ میں کہتا ہوں کہ اللہ کے کلام میں اس دوسری وجہ کا اعتبار کرنا لغو ہے اور ہارون کی قراءت، شاذ قراءت ہے اور حق یہ وہی ہے جو صاحب کشاف کا نظریہ ہے اور قالون کی قراءت نہیں ہے جیسا کہ صاحب فتح البیان کا گمان ہے۔

(۱۰) **وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ** (ترجمہ:۔ جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی مت مانو) یعنی باطل کی بہت زیادہ جھوٹی قسمیں کھانے والے۔ **مَّهِيْنٍ** (ترجمہ:۔ حقیر) یہ **مھانة** سے فعیل ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حق و باطل کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور بہت قسمیں کھانے والا ہے کہ وہ اپنی بات میں سچا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ حق ہے کہ باطل ہے۔ مجاہد نے کہا وہ کذاب ہے اور حسن نے کہا وہ شر میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ مروی ہے کہ یہ آیت "حکم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابن مردویہ نے، ابوعثمان النہدی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے یزید کی بیعت کی مروان نے کہا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت ہے تو عبدالرحمان بن ابی بکر نے کہا کہ یہ ابوبکر و عمر کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل کی سنت ہے تو اس نے کہا یہ تو وہ شخص ہے جس کے بارے میں آیت "**والذی قال لوالدیه اف لکما**" نازل ہوئی تو عبدالرحمان نے کہا میں نے یہ بات عائشہؓ سے بتائی وہ فرماتی ہیں کہ یہ آیت عبدالرحمان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ تیرے باپ کے حق میں۔ **ولاتطع کل حلاف مھین** نازل ہوئی تھی۔ اور حق یہ

ہے کہ مہین وہ جاہل ہے کہ جو باطل کو حق سے بالکل نہیں پہچانتا۔تو وہ پھر کس طرح اللہ کی عظمت کو پہچانے گا۔اس کا قلب تو دنیا کی طلب میں لٹکا رہے گا۔تو لوگ اس کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے اس کی رائے کی کمزوری اور ذلت کی وجہ سے۔پس وہ شخص اپنے بات کی تائید جھوٹی قسموں سے کرے گا کہ جن قسموں کے ذریعہ اللہ کے اسماء مبارکہ کے استعمال کی جراءت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۱) **هَمَّازٍ** (ترجمہ:۔عیب جو) یعنی عیب تلاش کرنے والا بہت طعنہ زنی کرنے والا۔مبرد نے کہا یہ وہ ہے جو لوگوں کے عیب نکالتا ہے یعنی ان کا ذکر کراہیت سے کرتا ہے۔اس طرح ان کی نکتہ چینی کرتا ہے۔**مَّشَّآءٍ م بِنَمِيمٍ** (ترجمہ:۔چلتا پھرتا چغل خوری کرنے والا) یہ وہ ہے جو لوگوں کے درمیان چغل خوری کرتا پھرتا ہے۔

(۱۲) **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** (ترجمہ:۔بھلائی سے روکنے والا) یعنی مال کا بخیل جسے وہ مصرف خیر میں استعمال نہیں کرتا۔**مُعْتَدٍ** (ترجمہ:۔ظلم میں بڑھا ہوا) ظلم کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ **اَثِيمٍ** (ترجمہ:۔بڑا گنہ گار) بہت گناہ کرنے والا۔

(۱۳) **عُتُلٍّ م** (ترجمہ:۔بدخلق اکھڑ) مفسروں نے کہا کہ وہ کھلم کھلا بدخلق ہے۔اور فراء نے کہا کہ وہ باطل کے معاملہ میں شدید جھگڑالو ہے۔زجاج نے کہا طبعی طور پر سخت مزاج گناہ کرنے والا ہے۔کہا جاتا ہے **عتله اذا قاده بعنف وغلظة** (جب وہ کھینچے بہت سختی و بے رحمی سے) اور لیث نے کہا کہ وہ بہت زیادہ کھانے والا (پیٹو) **بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ** (ترجمہ:۔ساتھ ہی بے نسب) فراء نے کہا کہ کسی قبیلہ یا نسب سے چمٹا ہوا حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ شر اور ذلۃ سے پہچانا جاتا ہے جیسا کہ بکری پہچانی جاتی ہے۔اس کے حلقوم کے اردگرد لٹکتے ہوئے گوشت کے ذریعہ اور اسی سے حسان بن ثابتؓ کا قول ہے۔

وانت زنيم نيط فى آل هاشم كما نيط خلف الراكب القدح الفرد

اور مبرد کی کامل میں ابوعبیدہ بن مغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نافع نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ زنیم کیا ہے تو انہوں نے کہا وہ **الدعى الملزق** (منہ بولا بیٹا) ہے میں نے حسان بن ثابتؓ کا قول سنا ہے۔

زنيم تداعاه الرجال زيادة كما زيد فى عرض الاديم الا كارع

اور انہوں نے یہ بھی کہا **الزنیم** کے معنی ہیں **الظلوم** اور اس سے مراد ہے رتبہ میں بعدیت۔کہا جاتا ہے کہ یہ آیات الاخنس بن شریق کے لئے نازل ہوئی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں۔زیادہ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ کے لئے ہے کیونکہ وہ قریش میں متبنیٰ (منہ بولا) تھا جبکہ وہ ان میں سے نہیں تھا اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے (۱۸) سال بعد منسوب کیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ ان میں صاحب الکشاف بھی ہیں۔غالب یہ ہے کہ نطفہ جب پلید ہوتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والی چیز بھی پلید ہو جاتی ہے۔اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولد الزنا جنت میں داخل نہ ہوگا۔نہ اس کا بیٹا اور نہ اس کے بیٹے کا بیٹا۔میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے بارے میں کئی اعتبار سے بحث ہے۔پہلا اس اعتبار سے کہ یہ حدیث تو مذکور ہے لیکن راوی کا نام مذکور نہیں ہے۔پس اس کے رواۃ کے بارے میں ظاہر نہیں ہوتا کہ صحیح ہیں یا سقیم ہیں اور حدیث کی کتابوں میں ہونے سے اس کی صحت لازم نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کے معارض ہے اور وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے "ولا تزر وازرة وزر اخری" (الانعام ۱۶۴) پس ولد الزنا اپنے باپ کے گناہ کا بوجھ کیونکر اٹھائے گا تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اللہ کی ذات میں شرک کے سوا تمام گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء۔ (النساء ۴۸) اور ولد الزنا اگر مسلمان ہے تو اسکی مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ پھر پرائے کے گناہ پر وہ جہنم میں کیوں کر داخل ہوگا جو گناہ اس کے باپ کی طرف سے اسے لاحق ہوا۔ تعجب ہے کہ صاحب الکشاف نے اس حدیث سے کیونکر استدلال کیا ہے حالانکہ معتزلہ تو کہتے ہیں لیس للانسان الا ما سعٰی۔ تو ولد الزنا اپنے والد کے گناہ کے بدلے کیونکر پکڑا جائے گا کیونکہ وہ گناہ اس کی سعی سے نہیں ہوا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ ابی جہل کے بارے میں نازل ہوئی اور ابن عباسؓ نے کہا یہ اسود بن یغوث کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۱۴) **اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیۡنَ** (ترجمہ:۔ اس لئے کہ جو مالدار اور بیٹوں والا ہے) یعنی **کل حلاف** سے الی آخرہ۔ تک (اس آیت میں بیان کردہ صفات سے متصف شخص) کی پیروی مت کرنا وہ چاہے اموال اور اولاد والا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ قول فراء اور زجاج کا ہے یہ تفضّل ہے اس آدمی کے لئے جو اس صفت سے متصف ہے کیونکہ اللہ کی نعمتوں کی عطاء کے باوجود ان کا شکر نہیں بجالاتا' ان کی ناشکری کرتا ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتا ہے۔ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں مومن کو ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔ "**ولا تطع**" میں بظاہر مخاطب اگرچہ رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن حقیقت میں یہ خطاب آپؐ کی امت سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اس قسم کی کافروں کی اطاعت آپ کے شایان شان نہیں۔ امام نافع سے یزیدی کی بیان کردہ روایت کے مطابق انہوں نے ان **کان** کو ھمزہ کی زیر کے ساتھ پڑھا۔ اور کسائی اور ابو عمرو اور نافع اور ابن کثیر اور حفص اور اہل مدینہ نے ان **کان** کو خبر کے طور پر پڑھا ہے۔ اور باقی قراء سبع اور حسن اور ابن ابی اسحاق اور ابو جعفر نے اسے استفہام کے طور پر پڑھا ہے۔ اور حمزہ نے دو ھمزوں کے اثبات کے ساتھ اسے پڑھا ہے یعنی أان اور دوسروں نے اسے تسہیل کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۱۵) **اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا** (ترجمہ:۔ جب اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیات) یعنی قرآن۔ **قَالَ** (ترجمہ وہ کہتا) یہ **اَسَاطِیۡرُ** (ترجمہ:۔ بے تکی باتیں) یعنی جھوٹے قصے ہیں **الۡاَوَّلِیۡنَ** (ترجمہ:۔ پہلے لوگوں کے) یعنی ماضی کی امتوں کے قصے ہیں۔

(۱۶) **سَنَسِمُہٗ** (ترجمہ:۔ جلد ہی اس کو پتہ چلے گا) یعنی تپے ہوئے لوہے سے اس کی اہانت وذلت ظاہر کرنے کے لئے اس کے معزز ترین عضو پر داغ لگا کر۔ **عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ** (ترجمہ:۔ ناک پر ہاتھوں پر) مبرد نے کہا خرطوم سے یہاں ناک مراد ہے اور یہی ابو عبیدہ اور ابو زید نے کہا۔ یہ لفظ حقارت کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ناک اعضاء میں معزز ترین ہے کہا جاتا ہے **فلان شامخ العرنین** یعنی (فلانا اونچی ناک والا ہے) یعنی عزیز ہے۔ اور **مجدوع الانف** ہے (نکٹا) مراد ہے ذلیل۔ ہر عضو پر داغ عیب ہوتا ہے۔ اور جب وہ اکرم عضو ہو تو قباحت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور شاعر کہتا ہے۔

وحسن الفتی فی الانف والانف عاطل فیکف اذا ما الخال کان له حلیا

(نوجوان کا حسن ناک میں ہے اور ناک بھی خالی ہو یعنی بے زیور مگر کیسا عجیب ہے خال اس کے لئے زیور بن جاتا ہے) عرب بولتے ہیں جُدعت انف فلان (فلان کی ناک کٹ گئی) جب اس کی بدشکلی دائمی ہو تو اس کو گالی دیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے معنی ہیں کہ ہم جلد ہی تلوار سے اس کی ناک چھیدیں گے اور یہ علامت اس کی ناک پر باقی چھوڑیں گے۔ اور مروی ہے کہ ولید نے یوم بدر میں جنگ کی تھی اور اس کی ناک تلوار سے چھد گئی تھی۔ اس بات پر اختلاف ہے کہ یہ داغ اس کے لئے دنیا میں تھا یا آخرت میں۔ ابن عباسؓ نے کہا یہ داغ اس کے لئے دنیا میں تھا۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا۔ قتادہ وغیرہ نے کہا اس کے معنی ہیں کہ جلد ہی ہم ایسا کریں گے دنیا میں مذمت اور نفرت برائی کے ساتھ شہرت کے طور پر۔ اور یہ اس کے لئے داغ کی طرح ہوگا۔ اور بعض لوگوں نے کہا یہ داغ اسے آخرت میں حاصل ہوگا اور یہ قول فراءُ مقاتل اور ابی العالیہ کا ہے اور اس سے مراد ہے کہ آگ میں ڈالنے سے پہلے اس کا چہرہ کالا پڑ جائے گا اور اس میں اولیٰ بات یہی ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ دنیا میں تذلیل واہانت اس کے لئے داغ ہوگا۔ یوم بدر میں چوٹ لگنے سے وہ قبیح ہو گیا۔ اور آخرت میں دوزخ میں جانے سے پہلے اس کے چہرہ کا سیاہ ہو جانا ہوگا۔

(۱۷) **اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ** (ترجمہ:۔ ہم نے دراصل انہیں آزمایا تھا) یعنی ان کافروں کو آزمائش میں ڈالا تھا کہ وہ اللہ کی اطاعت وشکر کی طرف پھر جائیں۔ اور ہم انہیں نعمتیں، اموال اور اولاد عطا کریں لیکن وہ ان زائل ہونے والی آسائشوں میں منہمک ہو گئے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ ہم نے قحط اور بھوک سے انہیں آزمایا تھا رسول اللہ ﷺ کی دعا کی وجہ سے اور وہ تھی **الھم اشدد وطائک علی مضر واجعلها علیهم سنین کسنی یوسف الی** آخر۔ **کَمَا بَلَوْنَا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ** (ترجمہ:۔ جیسا کہ ہم نے ایک باغ والوں کو آزمایا تھا) انہیں آگاہ کیا تھا جس کا ذکر مفسروں نے کیا کہ وہ ارض یمن میں، صنعاء سے دو فرسخ دور تھے۔ واحدی نے کہا وہ ثقیف کی قوم میں سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ وہ صنعاء سے کئی فرسخ دور تھے اور ابن عباسؓ نے کہا وہ لوگ حبشہ میں سے تھے۔ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے دور میں تھے۔ ان کے باپ کا ایک باغ تھا جس سے وہ اللہ کا حق ادا کرتا تھا۔ پھر وہ مر گیا تو یہ باغ زراعت اور کھجور کے درخت اس کی اولاد کو ورثہ میں ملا۔ تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مال قلیل ہے اور عیال کثیر ہے ہمیں تنگی ہو جائے گی اگر ہم نے وہ کیا جو ہمارے باپ کیا کرتے تھے۔ پس انہوں نے انفاق نہ کرنے اور مساکین کو محروم کرنے کا تہیہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا باغ ان کی کھیتیاں سب ضائع ہو گئیں۔ جیسا کہ اللہ نے یہ قصہ بیان کیا۔ **اِذْ اَقْسَمُوْا** (ترجمہ:۔ جب انہوں نے قسم کھائی تھی) اس سے مراد اس شخص کے بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا ہے البتہ اس کے منجھلے بیٹے نے کہا تھا ایسا نہ کرو بلکہ ابا کے طریقہ پر چلتے رہو یہاں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد وہ سب عدم انفاق پر متفق ہو گئے۔ **لَیَصْرِمُنَّهَا** (ترجمہ:۔ کہ ہم اس کے پھل توڑیں گے) باغ کے پھل توڑیں گے، **مُصْبِحِیْنَ** (ترجمہ:۔ صبح کے وقت) صبح کے وقت داخل ہوتے ہوئے مسکینوں کے آنے سے پہلے۔

الصرام کے معنی ہیں القطع اور اسی سے امراؤ القیس کا شعر ہے۔

صرمتک بعد تواصل وعد و بداله غد بعض ما یبدو

اور یہاں صرام سے مراد پھل توڑنا ہے۔

(۱۸) **وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ** (ترجمہ:۔اور انہوں نے استثناء نہیں کیا تھا) اور انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

(۱۹) **فَطَافَ عَلَيْهَا** (ترجمہ:۔اس کے گرد چکر لگایا) یعنی اس باغ کے گرد **طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ** (ترجمہ:۔تیرے رب کی طرف سے چکر لگانے والوں نے) الطائف اس کا شر میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔فراء نے کہا کہ وہ ایسا امر ہے جو رات میں آتا ہے اور یہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔یہ اس سے مراد آگ ہے جس نے باغ کو جلا دیا یہاں تک وہ سیاہ ہوگیا۔ **وَهُمْ نَآئِمُوْنَ** (ترجمہ:۔اور وہ سو رہے تھے) جملہ حالیہ ہے یعنی حال یہ تھا کہ وہ سوئے ہوئے تھے۔

(۲۰) **فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ** (ترجمہ:۔پس وہ (باغ) ہوگیا کٹے ہوئے کی طرح) یعنی وہ باغ صریم کی طرح ہوگیا یعنی اس کے پھل کاٹ لئے گئے ہوں یہاں تک کہ وہاں کچھ بھی باقی نہ رہا۔فعیل بمعنی مفعول ہے۔فراء نے کہا الصریم کے معنی ہیں تاریک رات یعنی صبح کے وقت وہ باغ اس کی سیاہ راکھ سے تاریک رات کی طرح سیاہ پڑ گیا۔اور یہ ابن عباسؓ کا قول ہے اور یہ بھی کہا الصریم خزیمہ کی لغت میں سیاہ راکھ کو کہتے ہیں۔اخفش نے کہا جس طرح صریم رات کی صفت بنتا ہے اسی طرح صبح کی بھی صفت واقع ہوتا ہے۔مراد یہ ہے کہ وہ باغ خشک ہوگیا اور درختوں سے پاک ہوگیا چٹیل میدان بن گیا۔مبرد نے کہا لیل صریم اور نہار صریم ہوتا ہے یعنی دن رات سے جدا ہے۔معنی یہ ہیں کہ جس طرح رات کے وقت وجود النہار باقی نہیں رہتا اسی طرح سے یہ باغ بھی عذاب الٰہی کی وجہ سے سلامت نہیں رہا۔اور مورج نے کہا کہ الصریم کے معنی الرملہ (ریت وراکھ) یعنی ان کے باغ ریت کی طرح ہوگئے۔جس میں نہ نبات اور نہ ہریالی اگتی ہے۔

(۲۱) **فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ** (ترجمہ:۔تو صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دی) یعنی ان میں سے بعض نے بعض کو صبح ہوتے ہی صدائیں دی۔

(۲۲) **اَنِ اغْدُوْا** (ترجمہ:۔تڑکے تڑکے چلو) اَن یہاں مفسرہ ہے اس لئے کہ یہ ندا میں معنی القول ہے یا یہ مصدریہ ہے یعنی بان اغدو. **عَلٰى حَرْثِكُمْ** (ترجمہ:۔اپنی کھیتی پر) یعنی اپنی کھیتی پر صبح سویرے پہونچو۔اور اس سے مراد زراعت وپھل ہیں۔صاحب الکشاف نے کہا اگر آپ یہ کہیں کہ اغدوا الی حرثکم کیوں نہیں کہا گیا ہے اور الی کے کیا معنی ہیں۔تو میں کہتا ہوں کہ اس کی طرف صبح کرنا تاکہ اس کو کاٹیں ایسا تھا جیسے کہ اس باغ پر صبح کی جیسے تم کہتے ہو۔غدا علیهم الغدو (صبح نے ان پر صبح کی) یہ بھی جائز ہے کہ غدو بمعنی اقبلوا ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔یغدی علیه الجفنة ویراح ابوحیان نے کہا غدو کہ علی کیساتھ متعدی ہے۔اِنْ

كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (ترجمہ:۔اگر تم فصل کھیتی کاٹنے والے ہو) اگر پھل وفصل کاٹنے کا ارادہ کرنے والے ہو۔

(۲۳) **فَانْطَلَقُوْا** (ترجمہ:۔وہ چلے) باغ کی طرف **وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ** (ترجمہ:۔اور وہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہہ رہے تھے) آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے تاکہ کسی فقیر ومسکین کو اس کی بھنک نہ پڑ جائے۔ **خفی، خفت، خفذ** تینوں کے معنی **الکتم** ہیں اور کہا جاتا ہے **الخفدود للخفاش** (چمگاڈر کا چھپنا)۔

(۲۴) **اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ** (ترجمہ:۔کہ اس میں آج کے دن کوئی داخل نہ ہونے پائے) ان مفسرہ ہے اس لئے کہ **یتخافتون** کا معنی **القول** ہے۔**عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ** (ترجمہ:۔تمہارے پاس کوئی مسکین) یعنی اس کا داخلہ ممکن نہ ہو۔مقصد یہ ہے کہ انہوں نے فقرا اور مساکین کے حقوق کے ضائع کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا۔

(۲۵) **وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ** (ترجمہ:۔وہ صبح سویرے گئے اپنے فیصلے پر اپنے آپ کو قادر سمجھتے ہوئے) ابن عباسؓ نے کہا وہ تیزی سے اپنے باغ کے قصد سے روانہ ہوئے اس کے پھل وفصل کاٹنے کا مصمم ارادہ کرکے۔**الحرد** کے معنی ہیں **القصد** یہ ابن الاعرابی کا قول ہے۔فراء نے کہا **وغدوا علی حرد** کے معنی ہیں وہ سویرے گئے طاقت وقدرت کے ساتھ۔ابن الاعرابی نے کہا اور بعض تفاسیر میں مروی ہے کہ ان کے قریہ کا نام حرد تھا اور ابوعبیدہ نے کہا **الحرد** کے معنی ہیں **المنع** اور اسی طرح **التحرید** ہے۔سیبویہ نے کہا **رجل حردو حارد عضبان** ازہری نے کہا **الحرد** 'را' پر سکون اور زبر کے ساتھ دو لغتیں ہیں۔ابن بری نے کہا جیسے سیبویہ نے بھی ذکر کیا ہے **حَرِدَ یحرِدُ حَرَدًا** ''را'' کے سکون کے ساتھ جب وہ غضبناک ہو۔اسی طرح اصمعی، ابن درید اور علی بن حمزۃ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔سدی اور سفیان نے کہا **علی جرد** کے معنی ہیں۔ **علی غضب**۔(یعنی غصہ کا عالم) یعنی وہ لوگ ایک دوسرے پر غصہ اتارنے کے علاوہ کچھ نہ کرسکے اور سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ **حرد** کے معنی **قصد** ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے۔

(۲۶) **فَلَمَّا رَاَوْهَا** (ترجمہ:۔پھر جب انہوں نے (باغ) اسے دیکھا) جب انہوں نے باغ کو جلا ہوا دیکھا۔**قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ** (ترجمہ:۔تو انہوں نے کہا ہم راستہ بھٹک گئے ہیں) یعنی اپنے آنے کا راستہ اور وہ یہ نہیں ہے۔پھر جب انہوں نے غور کیا اور پہچان لیا کہ یہی ان کا باغ ہے تو بولے۔

(۲۷) **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** (ترجمہ:۔نہیں بلکہ ہم ہی محروم ہوگئے ہیں) اور یہ اس وجہ سے کہ ہم نے بخل کرنے مساکین کو منع کرنے اور ان کو محروم کرنے کا عزم کیا تھا۔

(۲۸) **قَالَ اَوْسَطُهُمْ** (ترجمہ:۔ان کے سب سے زیادہ معتدل نے کہا) یعنی ان میں سے سب سے زیادہ انصاف پسند نے کہا **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ** (ترجمہ:۔کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم اس کی تسبیح کیوں نہیں کرتے) یعنی تم انشاءاللہ کیوں نہیں کہتے یا اللہ کو کیوں یاد نہیں کرتے اور اپنی نیتوں کے خبث اور اپنے ارادہ کے شر سے اس کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے۔

(۲۹) **قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** (ترجمہ:۔وہ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم ہیں) کہا جاتا ہے کہ ان کی تسبیح سے مراد انشاء اللہ کہنا تھا اس لئے کہ وہ دونوں تعظیم میں مشترک تھیں یا اس لئے کہ وہ اللہ کے تنزیہہ ہے پس وہ منزہ ہے اس سے کہ اس کی ملک میں کوئی ایسے شئے واقع ہو جسے وہ نہ چاہتا ہو۔حسن نے کہا تسبیح سے مراد الصلوٰۃ ہے کیونکہ وہ نماز میں کسل کیا کرتے تھے اور وہ نماز انہیں برائیوں اور بے حیائی سے روکتی نہیں تھی۔

(۳۰) **فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ** (ترجمہ:۔ان میں سے بعض بعض سے باہم ملامت کرتے ہوئے متوجہ ہوئے) یعنی ان میں سے کچھ کچھ لوگوں کو ملامت کرنے لگے اس لئے کہ ان کے ارادوں کے برخلاف شئی وقوع پذیر ہوگئی تھی۔

(۳۱) **قَالُوْا يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ** (ترجمہ:۔وہ کہنے لگے کہ افسوس کہ ہم ہی سے سرکشی سرزد ہوئی) **ویل** ویج طرح کا کلمہ ہے۔البتہ یہ کہ وہ عذاب کا کلمہ ہے اور **ویلة** ، **ویلک** ، **ویلی** کہا جاتا ہے۔گر یہ وآہ کو "ویلاء" کہا جاتا ہے۔الاعشی کا شعر ہے۔

قالت هريرة لمّا جئت زائرها **وبلی علیک ووبلی منک یارجل**

یہ بھی کہا گیا ہے کہ **ویل** کے معنیٰ "**حلول الشر**" ہے۔مازنی کہتا ہے کہ میں نے اصمعی سے یہ بات یاد رکھی ہے کہ **ویل** برائی ہے اور **ویح** رحم ہے۔اور **طاغین** کے معنیٰ ہیں اللہ کے حدود سے تجاوز کرنے والے۔

(۳۲) **عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا** (ترجمہ:۔ہوسکتا ہے کہ ہمارا رب اس سے بہتر ہمیں عوض میں دے دے) اس سوختہ باغ سے بہتر۔**یبدلنا** کو تشدید و تخفیف دونوں سے پڑھا گیا ہے۔ **اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ** (ترجمہ:۔بے شک ہم اپنے رب کی طرف ہی راغب ہیں) مفسروں میں سے بعض نے کہا کہ یہ قول ان کی توبہ پر دلالت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا یہ کہنا دنیا سے ان کی رغبت کا اظہار ہے۔اور یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے اللہ کی اسقدر نافرمانی کی تو اللہ نے اس کی اموال تباہ کردی۔اور اس کا اتنا ضیاع ہوا۔تو پھر ان کا حال کیسا ہوگا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عناد رکھا۔اور اس کی آیات کو جھٹلا دیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا۔

(۳۳) **كَذٰلِكَ الْعَذَابُ** (ترجمہ:۔ایسا ہوتا ہے عذاب) یعنی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ان کا باغ آگ سے سوختہ ہوگیا۔امام رازی نے کہا یہاں پر باغ والوں کا قصہ تمام ہوگیا۔ **وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ** (ترجمہ:۔اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے) یعنی دنیا کے عذاب سے۔ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** (ترجمہ:۔کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے) اگر وہ جانتے ہوتے تو اس سے ڈرتے بھی۔

(۳۴) **اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ** (ترجمہ:۔بلاشبہ متقیوں کے لئے) کفر و معاصی سے بچنے والوں کے لئے توبۃ نصوح حاصل کرنے کے بعد اللہ کی طرف رجوع ہونے والوں کے لئے۔ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** (ترجمہ:۔ان کے پروردگار کے پاس) یعنی آخرۃ میں۔ **جَنّٰتِ**

النَّعِیْمِ (ترجمہ:۔راحت کے باغ ہیں) ان میں خالصتاً آسائشوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

(۳۵) **اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ** (ترجمہ:۔کیا ہم مسلمانوں کو بنائیں گے) یہ استفہام تقریع (جھڑکی) کے لئے ہے۔اور المسلمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور ان میں وہ بھی داخل ہیں جو ایمان لائے۔اور نیکیوں کو برائیوں سے مخلوط کر دیا۔ **کَالْمُجْرِمِیْنَ** (ترجمہ:۔مجرموں کی طرح) یعنی کافروں کی طرح جو اللہ کے نزدیک اپنے کفر اور اللہ اور رسول سے اعراض کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے اور یہ اس شخص کے لئے رد ہے جو ان دونوں کے درمیان برابری کو ثابت کرتا ہے۔

(۳۶) **مَالَكُمْ** وقفة **کَیْفَ تَحْكُمُوْنَ** (ترجمہ:۔تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو) ان دونوں کی برابری کا۔

(۳۷) **اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ** (ترجمہ:۔کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم مطالعہ کر رہے ہو) یعنی تم اس میں پڑھتے ہو اور اس میں اطاعت گذار کو نافرمان کی طرح پاتے ہو۔جمہور نے ان کو زیر سے پڑھا ہے۔اس لئے کہ یہ تدرسون معمولہ ہے یعنی کتاب میں پڑھ رہے ہو۔

(۳۸) **اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ** (ترجمہ:۔کہ اس کے اندر تمہارے لئے وہ ہے جو تم انتخاب کرسکو) یعنی اسے پسند کرسکو۔اور اصل میں اَنَّ زبر سے ہونا چاہئے اس لئے کہ تدرسون کے لئے معمولہ یہی ہے جب اسے لام کے ساتھ لایا گیا تو زیر دے دی گئی تخیر کے معنی ہیں چننا۔

(۳۹) **اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا** (ترجمہ:۔یا تمہارے لئے ہم پر کچھ عہد ہے) یعنی قسموں سے پختہ کئے ہوئے عہد و پیاں۔**بَالِغَةٌ** (ترجمہ:۔پہونچے ہوئے) تو کید میں پہونچے ہوئے۔اسے نصب (زبر) کے ساتھ حال کے طور پر پڑھا گیا ہے اور اس میں عامل کوئی ایک طرفین میں سے ہے۔ **اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ** (ترجمہ:۔یوم قیامت تک) بالغۃ سے متعلق ہے۔ **اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ** (ترجمہ:۔کہ تمہارے لئے جو تم فیصلہ کرو گے) مقدر کا جواب ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ام اقسمنا لکم.

(۴۰) **سَلْهُمْ** (ترجمہ:۔وہی ہے ان سے پوچھو) یا محمد ﷺ۔ **اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ** (ترجمہ:۔ان میں سے کون سا اس کے ساتھ) یعنی وہ فیصلہ جس کو اپنے لئے کرتے ہو۔ **زَعِیْمٌ** (ترجمہ:۔ضامن ہے) یعنی کفیل ہے ابن کیسان نے کہا وہ حجت کے ساتھ قائم ہو اور کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور معنی یہ ہیں کہ وہ جو تم اپنے نفوس کے لئے فیصلے کرتے ہو کہ وہ تمہارے لئے آخرۃ میں مسلمانوں کی طرح ہر آسائش اور فلاحی ہوگی تو تمہیں یہ حکم کہاں سے معلوم ہوا پس تمہارے لئے کون کفیل و شافع ہوگا۔اس کے باوجود کہ تم نے اللہ کا اس کے رسول کا انکار کیا۔بس یہ جھوٹی طفل تسلیاں ہیں۔

(۴۱) **اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ** (ترجمہ:۔یا ان کے شرکاء (الوہیت میں) ہیں تو اپنے شرکاء پیش کریں اگر وہ سچے ہیں) معنی یہ ہیں کہ ان کے لئے کچھ اشیاء ہیں جن کے وہ معتقد ہیں کہ وہ اللہ کے شرکاء ہیں اور وہ

آخرت میں ان کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ جو ان کے لئے اجر اور ثواب اکٹھا کر دیں گے۔ اگر وہ اس قول میں سچے ہیں تو انہیں سامنے لائیں۔ یا اس کے معنی ہیں کہ یا ان کے سوا فیصلہ کرنے میں برابر کے شریک ہیں مسلمانوں اور مجرموں کے مابین مساوات ہونے میں اگر اس دعویٰ میں سچے ہیں تو انہیں سامنے لائیں۔

(۴۲) **يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ** (ترجمہ:۔ وہ دن جب ساق کھولی جائے گی) ساق کے معنی لغت میں شدید معاملہ کے ہیں اور اس کا کھولنا ایک مثال ہے کسی معاملہ کی سختی کے بارے میں جیسے بخیل کے لئے کہا جاتا ہے **یدہ مغلولۃ** حالانکہ وہاں نہ ہاتھ ہوتا ہے اور نہ ہی بندش۔ وہ تو محض بخل کی شدت کے لئے مثال ہے اسی طرح سے نہ ساق ہے نہ کشف اس کی اصل یہ ہے کہ جب انسان کسی شدید معاملہ میں پڑتا ہے تو کہا جاتا ہے **شمر ساعدہ و کشف عن ساقہ للاھتمام بذالک الامر العظیم** (اس نے اپنی آستین چڑھالی ہے اور اس نے اپنی پنڈلی کھول لی ہے اس عظیم معاملہ کے اہتمام کے لئے) اور کبھی کبھار پنڈلی سے بھی کھولا جاتا ہے کیونکہ لوگ اپنی پنڈلیاں کھولتے ہیں اور ازار و تہبند وغیرہ کو اڑس لیتے ہیں معاملہ کی شدت کے وقت بھاگنے کے لئے۔ اور کوئی سنگین ترین معاملہ جب اس کے شدت کا انسان کو واہمہ ہو تو کہا جاتا ہے **شمر لھا عن ساقیہ** پھر یہ لفظ ہر امر شدید کے لئے کہا جانے لگا۔ ابن عباسؓ نے کہا اس کے معنی ہیں اس دن معاملہ کی شدت کو کھول دیا جائے گا۔ اور ابو عبیدہ نے کہا یہ کلمہ شدت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جب آستین وغیرہ چڑھا لئے جائیں تو کہا جاتا ہے **کشف عن ساقہ**۔ اسی طرح **تشمیر الساق** بھی کہا جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے یہ لفظ معاملہ کی شدت اور بڑائی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے پس معنی یہ ہوں گے اس دن معاملہ سنگین ہو جائے گا۔ اور بولنا مشکل ہو جائے گا اور بلا شبہ یہ معنی مجازی ہیں اور یہ معنی اس لئے لئے گئے ہیں کہ حقیقت یہاں متعذر ہے۔ اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں شدت غضب کی حقیقت متعذر ہے کیونکہ اگر لفظ ساق سے حقیقت مراد لی جائے تو اللہ کی جسمانیت لازم آئے گی کہ ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب اپنے ترکیب دینے والے کا محتاج ہوتا ہے جس سے لازم آئے گا اللہ کا کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہونا اور اس سے تسلسل ،مستحیل یا دور مستحیل لازم آئے گا اور یہ دونوں باطل ہیں لہذا اللہ کا جسم ہونا بھی باطل ہے۔ بلا شبہ اس لفظ کے حقیقی معنی اللہ کے حق میں متعذر ہے لہذا مجازی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ البتہ فرقہ مشبہۃ اس آیت سے استدلال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ قیامت کے دن مخلوق کے لئے ایک مثالی شکل میں آئے گا۔ جب مسلمان گذر رہے ہوں گے تو فرمائے گا کہ تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ اللہ کی عبادت کرتے تھے تو وہ ان سے دو یا تین بار گواہ بنائے گا پھر وہ کہے گا کہ تم اپنے رب کو جانتے ہو وہ لوگ کہیں گے ہم نے جب خود کو پہچان لیا تو اسے بھی پہچان لیا۔ تو وہ اس وقت پنڈلی کھول لے گا۔ اس وقت سارے مومن سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اور منافقوں کی پشتیں ایک تختے کی طرح ہو جائیں گی۔ جس میں گویا میخیں گڑھیں ہوئی ہوں گی۔ امام رازی کہتے ہیں کہ یہ قول کئی اعتبار سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ یہ مدلل ہے کہ ہر جسم حادث ہوتا ہے کیونکہ ہر جسم متناہی ہوتا ہے اور ہر متناہی

حادث ہوتا ہے لہذا ہر جسم حادث ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مذکور حدیث اللہ کی جسمانیت پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ اللہ کے متمثل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور تمثیل جسم کی حقیقت پر دلالت نہیں کرتی۔ پس یہ استدلال مکمل نہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کہنے والے کو حق ہے کہ وہ کہے کہ شریعت اللہ کی ذات پر بصیر، سمیع، کلیم کے اطلاق کو منع نہیں کرتی اور یہ صفات اللہ کے لئے آنکھ، کان اور زبان کو لازم کرتی ہیں۔ کیونکہ ان معانی کو سمجھے بغیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے ان کے مفاہم سمجھ میں نہیں آتے۔ جس طرح اللہ کی ذات پر ان صفات کا اطلاق درست ہے اسی طرح اس کے لئے ہاتھ اور چہرہ کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ پس جب شریعت اللہ کے ان اوصاف سے متصف ہونے کا انکار نہیں کرتی تو **یوم یکشف عن ساق** سے اللہ کی ساق مراد لینے کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔ پس جس طرح **یدُاللہ** کہنا صحیح ہے اس طرح **ساق اللہ** بھی صحیح ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان صفات پر ایمان لائیں اور ہم ان کے حقائق کریدتے نہ رہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ "**یکشف عن ساق**" کے قول سے کشف کے ذریعہ تعریف حاصل نہیں ہوتی وہ تو کشفِ وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تعریف امور خارجہ سے بھی ممکن ہے جیسے کہ محشر کی ہولناکی اور لوگوں کا موقف حساب پر حاضر ہونا اور اللہ کے روبرو میزان کا قائم ہونا اور فرشتوں کا یہ کہنا کہ اللہ کو سجدہ کرو۔ ان امور سے تعریف حاصل ہوتی ہے لہذا کشف وجہ کی حاجت نہیں ہے۔ جمہور نے **یکشف** کو بر بنائے مفعول پڑھا ہے اور عبداللہ بن ابی عبلہ نے 'یا' کو زبر کے ساتھ بر بنائے فاعل پڑھا ہے اور ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ نے بھی بر بنائے فاعل پڑھا ہے۔ اور ابن ہرمز نے اسے 'ن' کے ساتھ پڑھا ہے نیز **یکشف** یا کے پیش اور ش کی زیر کے ساتھ **اکشف** کے باب سے پڑھا ہے اس وقت جب کھولنے میں آغاز کیا جائے۔ اور اسی سے ہے **اکشف الرجل** یعنی **انقلبت شفته** العلیا مجاہد نے کہا ہے کہ وہ قیامت کے دن کی پہلی گھڑی ہوگی اور سب سے زیادہ شدید ترین ہوگی۔ **وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ** (ترجمہ:۔ اور انہیں سجدے کی دعوت دی جائے گی) واحدی نے کہا کہ مفسروں نے کہا ہے ساری مخلوق اللہ کو ایک سجدہ کرے گی۔ اور کفار اور منافقین سجدے سے باقی رہ جائیں گے۔ **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** (ترجمہ:۔ انہیں اس کی استطاعت نہ ہوگی) کیونکہ ان کی پشتیں تختہ ہو چکی ہوں گی۔ وہ سجود کے لئے ملائم نہ ہوسکیں گی اور یہ دعوت سجود اس لئے نہ ہوگی کہ وہ سجدے کے مکلّف ہوں گے بلکہ ان کے استکبار کے اظہار اور امتحان کی خاطر ہوگی کیونکہ دار الآخرۃ دار تکلیف نہیں ہوتا۔ ابو مسلم اصفہانی نے کہا اسے قیامت کے دن پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ نے اس دن کے لئے فرمایا ہے "**ویدعون الی السجود**" جبکہ قیامت کے دن تعبد اور تکلیف نہ ہوگی۔ بلکہ اس سے مراد یا تو انسان کا اسی دنیا میں آخری دن مراد ہے۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے **یوم یرون الملائکة لا بشری** (الفرقان ۲۲) پھر وہ لوگوں کو دیکھے گا۔ پنجوقتہ نماز کے لئے بلائے جاتے ہیں ان کی اوقات کے وقت اور وہ نماز کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ یا اس سے مراد مرض یا عاجزی اور بڑھاپے کا حال ہے وہ لوگ اس سے پہلے سجدے کی طرف بلائے جاتے تھے اور سیدھے کھڑے رہ جاتے تھے۔ پس ان کا سجدہ نہ کرنا موت کے وقت نازل ہونے والی مصیبت کی شدت کی وجہ سے ہوگا جس کا وہ

معائنہ کریں گے یا عجز و بڑھاپے کی وجہ سے ہوگا۔اس کی مثال **فلو لا اذا بلغت الحلقوم** ہے۔امام رازی نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کو ابو مسلم کے قول کے مطابق محمول کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔البتہ ان کا یہ کہنا کہ اسے قیامت کے دن پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ سجدہ کا حکم یہاں حاصل ہے اور قیامت کے دن مکلّف ہونا معدوم ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بطور تکلیف نہیں ہوگا بلکہ رسوائی اور ذلت کے طور پر ہوگا تو تم کیوں کہتے ہو کہ وہ جائز نہیں ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) حکیم کا ڈرانا اور خوف دلانا مخوف (ڈرائے ہوئے) فعل کو اختیار کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور اس فعل کے ترک و نہی پر دلالت کرتا ہے۔پس مناسب ہے کہ اس فعل کا لانا اس کے لئے نافع اور ترک کرنا نقصان دہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ نفع کا فعل پر مرتب ہونا وہ دار التکلیف میں ہی ہوتا ہے۔اور دار الآخرۃ تو دار الجزاء ہی ہے لہذا اسے ڈرانا اسے کوئی فائدہ نہ دے گا۔واللہ اعلم۔

(۴۳) **خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ** (ترجمہ:۔اس حال میں کہ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی) **یدعون** کے اندر ضمیر کا حال ہے۔اور **ابصارھم** فاعلیہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔اور **الخشوع** کی نسبت **الابصار** کی طرف اس لئے کہ وہ آنکھوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔اور ابصار سے مراد مجاز المرسل کے طور پر ان کی آنکھیں ہیں اور یہاں ابصار کو خشوع کے لئے خاص کیا گیا ہے۔اگر چہ تمام جوارح ڈر رہے ہوں گے لیکن ہر عضو کے مقابلہ میں یہ خوف آنکھوں سے زیادہ نمایاں ہو رہا ہے۔زجاج کہتے ہیں جب اسم فاعل کو جمع پر مقدم لایا جاتا ہے تو اسے واحد لانا جائز ہوتا ہے جیسے **خاشعًا ابصارھم** ۔آپ اسے واحد و مونث بھی لا سکتے ہیں جیسے **خاشعة ابصارھم** اور آپ اسے جمع بھی لا سکتے ہیں جیسے **خشعاابصارھم** ۔**تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ** (ترجمہ:۔ان پر ذلت چھائی ہوگی) یعنی ذلت اور گھٹیا پن نے انہیں ڈھانپ لیا ہوگا۔فراء نے کہا **رھقنی الرجل یرھقنی رھقا** یعنی **لحقنی** اور **غشینی**۔ابن بری نے کہا الأعشی نے اسی طرح ایک شعر میں رھق کو غشیان کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

لا شئی ینفعنی من دون رویتھا هل یشتفی وامق مالم یصب رھقا

یعنی غشیان۔**وَقَدْ كَانُوْا** (ترجمہ:۔اور بلاشبہ انہیں دنیا میں) **يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ** (ترجمہ:۔سجدے کرنے کی دعوت دی جاتی تھی) اس آیت کی بھی تفسیر گذر چکی ہے۔**وَهُمْ سٰلِمُوْنَ** (ترجمہ:۔حالانکہ وہ صحیح و سالم تھے) امراض و علتوں سے بچے ہوئے تھے اور یہ فعل کرنے پر بھی قادر تھے پھر بھی وہ اسے ادا نہیں کرتے تھے۔ابن عباسؓ نے کہا انہیں دنیا میں دعوت دی جاتی تھی جبکہ وہ تندرست و توانا تھے۔

(۴۴) **فَذَرْنِیْ** (ترجمہ:۔پس مجھے چھوڑ دو) اللہ فرماتا ہے اے محمد ﷺ مجھے چھوڑ دو۔**وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ** (ترجمہ:۔اور اسے جو اس بات کو جھٹلاتا ہے) یعنی قرآن کو یا یوم قیامت کے واقعہ کو۔اور اس میں نبی ﷺ کے لئے تسلی و تسکین ہے اور زبردست ڈانٹ ہے کافروں کے لئے۔زجاج نے کہا کہ اس کے معنی ہیں کہ اسے اپنے دل پر نہ ڈالیں بلکہ اسے سارا کا

سارا میرے حوالے کردیں میں اس معاملہ کو نمٹنے کے لئے کافی ہوں۔ **سَنَسْتَدْرِجُهُمْ** (ترجمہ:۔ہم انہیں درجہ بدرجہ پکڑیں گے) یہ کیفیت عذاب کے بیان کے لئے نیا جملہ (استیناف) ہے۔کہا جاتا ہے کہ **استدرجه الى كذا** جب کسی کو آہستہ آہستہ پہونچایا جائے یہاں تک وہ پورا کھڑا ہو اور معنی یہ ہیں کہ ہم انہیں عذاب میں گرفتار کریں گے ان کی غفلت کے عالم میں۔ **مَنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ** (ترجمہ:۔اس طور پر کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے گا) ان کی ہلاکت کا سبب۔سفیان ثوریؒ نے کہا ہم ان پر نعمتوں کی فراخی کردیں گے۔لیکن انہیں شکر کرنا بھلادیں گے۔

(۴۵) **وَأُمْلِيْ لَهُمْ** (ترجمہ:۔میں انہیں ڈھیل دوں گا مہلت دوں گا) انہیں مہلت دوں گا تاکہ وہ گناہوں میں بڑھ جائیں۔**املی له** کے معنی ہیں۔ **اطال له المدة** (میں نے اس کے لئے مدت طویل کردی) صاحب اللسان نے کہا یہ **الملوة** سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں **المدة من الزمان. الا ملاء** کو ملاء سے اخذ کیا گیا ہے اور وہ زمین کی وسعت ہے۔ **اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ** (ترجمہ:۔میری تدبیر مضبوط ہے) یعنی **قوی شدید** (بہت زیادہ قوی) کید کو متانۃ سے متصف کیا ہے۔

(۴۶) **اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا** (ترجمہ:۔کیا تم ان سے اجر مانگتے ہو) ہدایت کی تبلیغ پر مال میں سے اجر دنیوی **فَهُمْ** (ترجمہ:۔کہ وہ) اس وجہ سے **مِّنْ مَّغْرَمٍ** (ترجمہ:۔(تاوان) سے) یعنی مالی تاوان سے اس اجر کی وجہ سے **مُّثْقَلُوْنَ** (ترجمہ:۔بھاری بوجھ تلے دبے جارہے ہو) بھاری بوجھ کی وجہ سے آپ سے گریزاں ہوں۔اس میں تہدید اور ان کے لئے تخویف ہے

(۴۷) **اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ** (ترجمہ:۔یا ان کے پاس امور غیبی ہیں) یعنی لوح محفوظ یا غیبی اطلاعات سے وہ واقف ہوں۔ **فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ** (ترجمہ:۔پس وہ لکھتے ہوں) اسے اور آپ سے بے نیاز ہوگئے ہیں۔

(۴۸) **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** (ترجمہ:۔پس آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کریں) اور وہ ہے انہیں جو ڈھیل دی گئی ہے۔ **وَلَاتَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ** (ترجمہ:۔ مچھلی والے کی طرح مت ہوجائیں) اور وہ حضرت یونسؑ ہیں **اِذْ نَادٰى** (ترجمہ:۔جب انہوں نے صدا لگائی) مچھلی کے پیٹ میں ۔ **وَهُوَ مَكْظُوْمٌ** (ترجمہ:۔اس عالم میں کہ وہ رنجیدہ وغضبناک تھے) یعنی غم وغیظ سے پر تھے۔ نادی کی ضمیر سے یہ جملہ حال ہے۔کہا جاتا ہے کہ **كظم السقاء** کے معنی ہیں جب وہ بھرا ہو۔مبرد نے کہا **كظم** کے معنی ہیں **حبسه** (اس نے روکا) اور کہا جاتا ہے **رجل كظيم**۔ کیونکہ غم وغیظ کو ضبط کرنے والا ہے یعنی **مكظوم**. سیبویہ نے کہا **رجل مكظوم و كظيم** کے معنی ہیں **مكروب** (کرب سے دوچار) یعنی اے محمد ﷺ یونسؑ سے ان ظالم کفار کی وجہ سے جو غم واندوہ پائی گئی تھی وہ آپ سے سرزد نہ ہونی چاہئے۔

(۴۹) **لَوْلَا اَنْ تَدٰرَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** (ترجمہ:۔اگر اس پر رحمت رب نہ پہونچی ہوتی) جمہور نے **تدارکه نعمة ربه** پڑھا ہے۔اس کے ساتھ تانیث کی علامت نہیں ملائی ہے اس لئے مفعول کی ضمیر سے فاصلہ واقع ہوا ہے۔ابن مسعودؓ وابن عباسؓ نے

تائے تانیث کے ساتھ پڑھا ہے۔اور حسن نے تدارکہ پڑھا ہے۔یعنی تتدارکہ اس لئے کہ یہ مضارع منصوب بانْ کی وجہ سے ہے۔ نعمة سے مراد توفیق توبہ ہے۔اور جوابِ لولا اللہ کا قول ہے۔ لَنُبِذَ (ترجمہ:۔ضرور پھینک دیا جاتا) یعنی ڈال دیا جاتا۔ بِالْعَرَآءِ (ترجمہ:۔چٹیل میدان میں) ابن سیدہ نے کہا کہ ایسی کھلی جگہ جہاں کوئی شئی نہ ہو۔اور کہا جاتا ہے کہ وسیع زمین ہے۔اور ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اسے عراء اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی درخت نہیں ہوتا۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ العراء سے مراد وجه الارض ہے۔ زجاج نے کہا العراء دونوں طرح سے ہے۔مقصور بھی ہے اور ممدود بھی۔پس مقصور کے معنی ہیں کہ کونہ اور ممدود کے معنی خالی مکان ہے۔اور مراد اس سے وہ زمین ہے جس پر نہ کوئی شجر ہو نہ کوئی پہاڑ ہو نہ کوئی ٹیلہ ہو اور نہ ریت۔ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (ترجمہ:۔اس حال میں کہ وہ مذموم ہو) یعنی اللہ کی رحمت سے دور بظاہر یونسؑ ذم سے متصف نہیں تھے۔اس لئے کہ لولا اس حاصل نہ ہونے والی مذمت پر دلالت کرتا ہے۔پس ایسی ہی ایک مثال ہے اللہ کا یہ ارشاد ولقدهمّت به وهّم بها لولا ان رائی برهان ربه (یوسف ۲۴) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ ان کے نبی ہونے سے پہلے کا ہو۔اور اس پر اللہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ۔

(۵۰) فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ (ترجمہ:۔رب نے انہیں چن لیا) یعنی منتخب کرلیا۔اور نبوت کے لئے انہیں چن لیا۔بعض مفسروں نے کہا کہ اس واقعہ کے وقت وہ نبی تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اجتباہ کے معنی ہوں کہ منقطع ہونے کے بعد اللہ نے ان کی طرف وحی کی۔اور پہلی بات زیادہ اولیٰ ہے۔ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (ترجمہ:۔پس انہیں صالحین میں سے بنادیا) ان کے صبر وصلاح کی وجہ سے (نیکی میں) کاملوں میں سے ایک جس سے گناہ سرزد نہیں ہوتے اور انہیں سو ہزار افراد کی طرف بھیجا یا ان سے بھی زائد۔

(۵۱) وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ (ترجمہ:۔قریب ہے کہ وہ لوگ جو) ان مخففہ ہے ثقیلہ نہیں كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ (ترجمہ:۔کافر ہیں آپ کو لڑکھڑا دیں) جمہور قاریوں نے ''یا'' پر پیش پڑھا ہے۔ازلقه عن موضعه میں سے جس کے معنی ہیں نحاہ کے قدم پر ہیں۔نافع اور اہل مدینہ نے زلق یزلق سے بمعنی ''تنحی زبر سے پڑھا ہے۔اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور الاعمش اور عیسیٰ نے لیز هتقونک پڑھا ہے۔اخفش نے کہا یزلقون کے معنی ہیں یفتنون (فتنہ میں ڈالتے ہیں) اور کلبی نے کہا کہ معنی ہیں یصرفونک عما انت علیه من التبلیغ آپ کو آپ کے مشن سے ہٹادیں۔ بِاَبْصَارِهِمْ (ترجمہ:۔اپنی نگاہوں سے) یعنی آپ کو فتنے میں ڈالنے یا اپنے موقف سے پھیر دینے والی نگاہوں سے گھورتے ہیں۔زجاج نے کہا کہ وہ اپنے بغض وعداوت کی شدت میں بغض کی نگاہ ڈالتے ہیں۔کہ گویا آپ کو پچھاڑ دیں شکست دیدیں گے اور یہ کلام عرب میں مستعمل ہے۔ابن قتیبہ نے کہا کہ اللہ نہیں چاہتا کہ وہ آپ کو اس مصیبت میں گرفتار کردیں۔جس میں وہ خود مبتلا تھے جیسے کہ نظر لگانے والا اپنی آنکھ کے ذریعہ پسند آنے والی چیز کو نظر بد لگا دیتا ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ آپ کو بغض وعداوت کی نظر سے دیکھتے ہیں مبادا کہ آپ کو گرادیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

يتقارضون اذا التقوا فی مجلس نظراً يزيل مواطی الا قدام

صاحب کشاف کا بھی یہی خیال ہے اور بعض مفسروں نے کہا کہ اس کے معنی ہیں کہ وہ نگاہوں سے آپ کو نظر بد لگا دیں گے اور مصیبت میں ڈال دیں گے۔ جیسا کہ نظر بد کی مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہو جاتا ہے۔ فراء نے کہا عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی مال پر نظر لگانا چاہتا تو تین دن بھوکا رہتا تھا پھر اس مال کی طرف آتا اور کہتا اللہ کی قسم میں نے اس مال سے زیادہ اور بہتر نہیں دیکھا پس اسے نظر لگ جاتی اس طرح ان کی نیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی یہی تھی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس جیسا حجت کرنے والا نہیں دیکھا۔ اور ان پر ایسی نظر ڈالتے تا کہ ان کو نظر لگ جائے۔ ابو حیان نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ بنو اسد میں نظروں سے مار ڈالنا رائج تھا۔ ابن الکلبی نے کہا کہ عرب میں ایک شخص تھا کہ وہ دو یا تین دن قیام کرتا بالکل کچھ بھی نہ کھاتا پھر اپنی پلکیں اٹھاتا اور کہتا کہ آج کے دن طرح کوئی اونٹ اور نہ ہی کوئی بھیڑ بکری اس سے بہتر نہیں دیکھی۔ پس وہ صرف دو چار قدم آگے بڑھتا۔ پھر یا تو وہ پورا ریوڑ یا ان میں سے کوئی تعداد گر پڑتی۔ پس کفار نے اس آدمی سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر یہ نحس نظر ڈالے اس نے ان کی بات مان لی اور یہ شعر پڑھا۔

قد کان قومک یحسبونک سیدا و اخال انک سید معیون

یعنی **مصاب العین**۔ لیکن اللہ نے اپنے نبی کو بچا لیا اور ان پر یہ آیت نازل کی۔ قتادہ نے کہا یہ نظر بد سے بچانے کے لئے نازل ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نظر لگانے کا ارادہ کیا۔ حسن نے کہا کہ نظر بد لگنے کی دوا یہ ہے کہ اس آیت کو پڑھا جائے۔ یہ بھی ان حضرات نے فرمایا کہ (**اصابة العین**) نظر بد کسی چیز کی تعریف کرنے سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس کے کراہت کا اظہار کرنے سے بھی۔ **لَمَّا سَمِعُو الذِّكْرَ** (ترجمہ:۔ جب وہ ذکر کو سنتے) یعنی ان کی طرف سے قرآن کی سماعت کے وقت ۔**وَيَقُوْلُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور وہ کہتے) حسد اور عناد کی وجہ سے، **اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ** (ترجمہ:۔ یہ تو واقعی مجنون ہیں) وہ جنون کی نسبت ناگواری کے عالم میں کرتے تھے کہ لوگ ان کی اطاعت کرنے لگے تھے۔

(۵۲) **وَمَا هُوَ** (ترجمہ: اور وہ نہیں ہے) یعنی قرآن **اِلَّا ذِكْرٌ** (ترجمہ:۔ مگر ایک نصیحت) یعنی تذکیر و وعظ ۔**لِّلْعٰلَمِيْنَ** (ترجمہ: سارے عالمین کے لئے) ان سب کے لئے جو اس کے محتاج ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن تمام انسانوں کی مہمات کے لئے کافی ہے اور ان کے معاش و مواد کے احوال کے لئے منتظم بھی ہے کیونکہ کل عالمین کے لئے یاد دہانی ہے۔